مطلق العنان اقتدار کے تحت محدود مذہبی مناصب

(۴)

جناب نعیم صدیقی صاحب

مناصب پر آ کر علمائے حق کی جد وجہد اب ذرا جائزہ لیجیے، علمائے حق کی ان مساعی کا جو انہوں نے اسلام کے تقاضوں، انصاف کی روایات، عدلیہ کی آزادی اور منصبِ قضا کے وقار کو بچانے کے لیے مناصب پر آ کر سر انجام دیں۔

اس سلسلے میں بھی پہلے دو ایک مثالیں اموی دور کی لیجیے:

قاضی خیر نے ایک خوجی سپاہی کو گالیاں دینے کے الزام میں حوالات میں بند کر دیا۔ مصر کے گورنر عبدالملک بن یزید نے آدمی بھیج کر اسے حوالات سے نکلوا لیا۔ قاضی خیر عدلیہ کے کام میں حکومت کی اس مداخلت کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے مستعفی ہو گئے۔ بعد میں عبدالملک نے معذرت کی اور قاضی خیر کو دوبارہ قبولِ قضا پر آمادہ کرنا چاہا، مگر انہوں نے جواب دیا کہ جب تک ملزم حوالات میں واپس نہیں ہو گا وہ استعفا واپس نہیں لیں گے۔ مگر نہ گورنر جھکا اور نہ قاضی صاحب منصب پر واپس آئے۔[1]

قاضی طلحہ بن ہرم کے سامنے ایک درباری کا مقدمہ آیا۔ انہوں نے از روئے قانون بے لاگ فیصلہ دیا جو درباری کے خلاف پڑا۔ درباری بھلا کیسے عدلیہ کے سامنے سر انقیاد خم کرتا، اس نے اپنے حق میں والیٔ مدینہ خالد بن عبداللہ القسری سے حکم لا کر قاضی کے سامنے رکھ دیا۔ قاضی نے پوری صورتِ حالات سلیمان بن عبدالملک کو لکھ بھیجی اور اس کام کے لیے اپنے بیٹے محمد بن طلحہ کو قاصد بنایا۔ خلیفہ نے والی کے نام حکم لکھا کہ انصاف میں دخل اندازی نہ کرو۔ محمد بن طلحہ جب خلیفہ

---

[1] امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی۔ از مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم ص ۱۷

کا حکم لے کر والی کے پاس پہنچا تو اس نے حکم پڑھنے سے قبل قاضی کے فرزند کو سو کوڑے لگوائے قاضی نے اپنے بیٹے کا خون آلود لباس سلیمان کے پاس بھجوایا۔ سلیمان نے غضبناک ہو کر حکم دیا کہ خالد کے ہاتھ کاٹ ڈالے جائیں۔ لیکن بعض درباری امراء کی سفارش سے یہ حکم ٹل گیا۔ اس واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کیسی عظیم قربانیاں حق کی خاطر قاضیوں نے پیش کی ہیں[1]۔

اب ہم زمانی ترتیب کے بغیر عباسی دور کی مثالیں عرض کرتے ہیں۔

دورِ منصور کا مشہور واقعہ ہے کہ قاضی شریک کو جب خلیفہ نے مجبور کیا کہ وہ قضا کی خدمت قبول کریں تو انہوں نے یہ شرط تسلیم کرائی کہ مجھے اگر مقرر کیا جاتا ہے تو میں ہر کہ ومہ کے خلاف حق کے مطابق فیصلے کروں گا۔ منصور اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ "احکم علیّ وعلی ولدی" یعنی آپ میری ذات اور میرے بچوں کے خلاف بھی فیصلہ دے سکتے ہیں۔ پھر قاضی شریک یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اپنے درباریوں سے مجھے تحفظ بہم پہنچایئے یعنی وہ فریضۂ انصاف میں مداخلت نہ کریں۔ منصور اس کی بھی ضمانت دیتا ہے۔ یہ مضبوط پیمان باندھ کر اور ضروری ضمانتیں اور تحفظات حاصل کر کے قاضی شریک ایک عظیم قوت بن کر عدالت کی کرسی پر آ بیٹھتے ہیں۔ پہلے ہی مقدمے میں خلیفہ منصور کی ایک چھوکری (مولاۃ) عدالت میں پیش ہوتی ہے اور وہ بگڑی ہوئی عادت کی وجہ سے دوسرے فریق کے برابر کھڑے ہونا گوارا نہیں کرتی اس لیے سیدھی آگے بڑھ کر قاضی کے پاس جا پہنچتی ہے۔ قاضی خلیفہ کی دی ہوئی ضمانتوں کے نئے نئے نشہ میں سرشار ہو کر اسے متنبہ کرتا ہے: "او گندی عورت پیچھے ہٹ جا!" اور وہ "گندی عورت" بھنا کر کہتی ہے: "بڈھے! تو احمق ہے"۔ قاضی صاحب دم بخود ہو کر رہ گئے اور صرف اتنا ہی کہا کہ ہاں میں نے بھی تیرے آقا سے یہی کہا تھا مگر وہ نہیں مانا۔ مقدمہ تو کیا فیصل ہوتا، قاضی صاحب معزول کر دیئے گئے[2]۔ عدالت کی کرسی کو ایک چھوکری نے اپنی ٹھوکر سے الٹ دیا۔ قاضی صاحب نے عہدہ قربان کر دیا مگر

[1] عقد الفرید۔ ج ۲ ص ۲۶۰ ۔ امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی از مولانا مناظر احسن گیلانی ص ۲۷
[2] المسعودی، حاشیہ بر کامل ص ۹۴ ۔ " " " ص ۲۸، ۲۹

اصولِ عدل کی قربانی نہ دے سکے۔ بعد میں دوبارہ انہیں کھینچ کھانچ کر قضا پر لایا گیا مگر ان کو نظامِ وقت کے بگاڑ کا اتنا احساس تھا کہ اس پر طنز کرتے ہوئے کہتے تھے کہ "میں نے تو اپنا دین بیچا ہے[۱]"

قاضی حفص بن غیاث کا مشہور واقعہ ہے کہ انہوں نے ہارون الرشید کے عہد میں ملکہ زبیدہ کے چہیتے پارسی مرزبان کے خلاف قرض کے ایک مقدمے میں ڈگری دے دی۔ پارسی مرزبان مقدمے میں بار بار یہ کہہ کر زبیدہ کا حوالہ دیتا رہا کہ: "المال علی السیدہ" یعنی یہ حساب تو ملکہ زبیدہ کے ذمے آتا ہے، مَیں تو محض ایک کارندہ ہوں۔ قاضی صاحب نے سیدہ کے نام سے متاثر ہوئے بغیر اسے جیل بھجوا دیا۔ یہ خبر سارے بغداد میں خشکی کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ زبیدہ نے سنا تو غضبناک ہو کر اس نے سندی نامی غلام کو حکم دیا کہ میرے آدمی کو جیل سے نکال کر فوراً حاضر کرو۔ زبیدہ کے حکم کے آگے محکمۂ جیل کے کارکنوں کی بھلا کیا مجالِ دم زدن تھی۔ انہوں نے قیدی کو رہا کر دیا۔ قاضی صاحب کو اطلاع ملی تو انہوں نے کہا کہ یا تو زبیدہ کا پارسی وکیل جیل میں واپس کیا جائیگا، یا پھر میں آئندہ عدالت کا اجلاس نہیں کروں گا۔ سندی پریشان ہوا کہ کہیں وبال میرے سر نہ پڑے، وہ زبیدہ کے سامنے گڑگڑایا کہ فی الحال پارسی کو جیل واپس کر دیجیے۔ زبیدہ مان گئی اور سندی کو واپس جیل بھیج دیا گیا۔ اتنے میں ہارون آگیا۔ ملکہ اس پر برس پڑی کہ تیرا یہ قاضی احمق ہے اس نے میری توہین کی ہے، لہٰذا اسے فوراً معزول کر دیا جائے۔ ہارون نے معاملہ سلجھانے کے لیے قاضی کے نام ایک پرچہ لکھا کہ پارسی کے معاملہ میں درگزر سے کام لیجیے۔ اُدھر قاضی حفص کو اطلاع ہو گئی کہ ایسا پرچہ آ رہا ہے۔ قاضی صاحب مقدمہ کی بقیہ کارروائی کو جلد جلد چکانے لگے کہ اسی اثنا میں قاصد فرمان لے کر آ پہنچا۔ قاضی صاحب نے اسے کہا کہ ذرا ٹھہر جاؤ میں اس کام سے فارغ ہو جاؤں۔ قاصد بار بار توجہ دلاتا رہا اور قاضی صاحب "ابھی ابھی" کہتے رہے یہاں تک کہ جب فیصلہ پر مہرِ عدالت ثبت ہو چکی تو انہوں نے قاصد سے فرمان لیا اور اسے

---

[۱] امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی از مولانا مناظر احسن گیلانی ص ۷۰۔

پڑھ کر قاصد کو کہا "امیر المومنین سے میرا سلام عرض کرنے کے بعد کہنا کہ فرمان سے پہلے میں فیصلہ کر چکا تھا" قاصد نے کہا کہ فرمان کو لیتے ہیں جو تاخیر جان بوجھ کر آپ نے کی ہے۔ یہ اسے خلیفہ کے گوش گذار کر دوں گا۔ مگر قاضی کی قوتِ ضمیر نے اس کی کوئی پروا نہ کی بلکہ انہوں نے یہ کہا کہ "تیرا جو جی چاہے کہہ دینا۔ قاصد نے واپس جا کر سارا قصہ سنایا۔ ہارون برافروختہ ہونے کے بجائے خوب ہنسا اور ساتھ ہی حاجب کو حکم دیا کہ ۳۰ ہزار درہم کے توڑے قاضی حفص کو بھجوا دو۔ لیکن ملکہ زبیدہ کا پارہ اور بھی چڑھ گیا۔ اس نے صاف صاف کہا کہ "اب نہ میں تمہاری، نہ تم میرے، جب تک کہ قاضی حفص کو منصبِ قضا سے الگ نہ کر دو" بالآخر بات اس پر ختم ہوئی کہ قاضی حفص کا تبادلہ کوفہ میں کر دیا گیا۔[۱]

کسی زمین کے معاملہ میں ایک تاجر اور فوجی جنرل کے درمیان جھگڑا تھا۔ یہ مقدمہ قاضی عبیداللہ کی عدالت میں لایا گیا۔ قصرِ خلافت سے مہدی نے بصیغہ راز قاضی کو یہ فرمان جاری کیا کہ فلاں فلاں تاجر اور جنرل کے مقدمہ میں فیصلہ جنرل کے حق میں دیا جائے۔ قاضی کی نگاہ میں چونکہ تاجر برسرِحق تھا اس لیے فیصلہ اسی کے حق میں دیا گیا۔ مہدی نے قاضی عبیداللہ کو معزول کر دیا۔[۲]

امام ابو یوسف کا کارنامہ دیکھیے کہ عدالت کے اجلاس میں خلیفہ کے وزیر کو مردود الشہادۃ قرار دے دیا۔ کسی مقدمہ میں وزیر کی گواہی تھی۔ قاضی ابو یوسف نے اسے صاف صاف کہہ دیا کہ تمہاری گواہی قابلِ قبول نہیں ہے۔ خلیفہ ہارون کے نیچے اتنے بڑے عہدے کے آدمی نے اپنی اس توہین کے خلاف خلیفہ سے جا کر شکایت کی۔ خلیفہ نے قاضی ابو یوسف سے بات کی کہ اس غریب کو آپ نے مردود الشہادۃ کیوں قرار دیا؟ انہوں نے بغیر کسی جھجک کے بیان کیا کہ میں نے اپنے کانوں سے اس کا یہ قول سنا ہے کہ "میں تو خلیفہ کا بندہ یا غلام (عبد) ہوں" نیز یہ شخص جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھتا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ یہ جواب سن کر ہارون خاموش رہ گیا۔ اس واقعہ کے

---

[۱] تاریخ خطیب بغدادی۔ ج ۸، ص ۱۹۲۔ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی از مولانا مناظر احسن گیلانی۔ ص ۶۱-۶۲

[۲] " " " ج ۱۰، ص ۳۰۹۔ " " " " " " ص ۳۰

بعد وزیر نے اپنی ڈیوڑھی کے صحن میں مسجد تعمیر کرائی اور با جماعت نماز ادا کرنے لگا۔[1] ایسا ہی واقعہ ایک فوجی افسر کے ساتھ بھی گزرا کہ اس کی شہادت مسترد کر دی گئی۔

بصرہ کے قاضی سوار بن عبداللہ نے ایک مقدمہ میں خلیفہ کی سفارش مسترد کر کے حق کے مطابق فیصلہ دیا۔ یہ بالکل ویسا ہی مقدمہ تھا جیسا مہدی بن منصور کے زمانہ میں بھی پیش آیا اور جس کا ذکر ہم نے پہلے کیا ہے۔ اس کے فریقین بھی ایک فوجی افسر اور ایک تاجر تھے۔ فوجی افسر کے لیے منصور کی سفارش آئی۔ مقدمہ قاضی سوار بن عبید اللہ کی عدالت میں تھا۔ قاضی نے سفارش کے مقابلے پر قسم کھا کے کہا کہ تنازعہ فیہ زمین غریب تاجر سے لے کر فوجی جنرل کو ہرگز نہ دونگا۔ منصور کو اطلاع ملی تو کہا کہ "بخدا میں نے زمین کو عدل سے بھر دیا ہے اور میرے قاضی مجھ سے بھی اختلاف کرتے ہیں۔"[2]

مامون کے عہد کا واقعہ ہے کہ مصر کے ایک قاضی کی عدالت میں محکمۂ برید (جو سی۔ آئی ڈی کی خدمات بھی انجام دیتا تھا) کا ایک ملازم (جو غالباً افسر ہوگا) داخل ہوا اور قاضی کی برابری میں ایک نشست پر جا بیٹھا۔ قاضی نے اسے فوراً متنبہ کیا کہ یہ اہلِ ایمان کے ایک سردار کی عدالت ہے جس کی اجازت کے بغیر کوئی شخص عدالت کی کسی نشست پر نہیں بیٹھ سکتا۔[3]

امام ابو یوسف کی عدالت کا یہ واقعہ بھی کتنا زریں ہے کہ خلیفہ ہارون ایک مقدمہ میں معمولی کسان کے مقابلے پر قسم کھانے کے لیے مجبور ہو جاتا ہے۔ ہارون کے قبضے میں ایک باغ تھا۔ سواد کے ایک بوڑھے کسان نے دعویٰ کیا کہ باغ اس کا ہے اور خلیفہ نے اس پر غاصبانہ قبضہ جما لیا ہے۔ یہ دعویٰ اس دن آیا جس دن ہارون خود عدالت لگائے بیٹھا تھا اور قاضی ابو یوسف اس کے معاون تھے۔ بڈھے نے اپنی فریاد قاضی ابو یوسف کے سامنے

---

[1] مناقب موفق۔ ج ۲، ص ۲۷۷ - امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی از مولانا مناظر احسن گیلانی ص ۲۶۱-۲۶۲

[2] تاریخ اسلام از مولانا عبدالقیوم ندوی۔ ج ۲، ص ۳۶، ۳۷ (بحوالہ مورخ عبداللہ بن صالح)

[3] SACIAL STRNCTURE OF ISLAM. P: 138, 139 (بحوالہ الکندی) (EDITD: BY R. GUIST مطبوعہ لندن ۱۹۱۲)

پیش کی۔ بڈھے کو بلایا گیا۔ اس نے اجلاس میں کہا کہ میرا دعویٰ امیرالمومنین کے خلاف ہے۔ قاضی ابو یوسف نے بڈھے سے پوچھا کہ تیرے پاس کوئی دلیل ہے۔ بڈھے نے کہا کہ امیرالمومنین سے قسم لے لیجیے، یہی میری دلیل ہے۔ قاضی صاحب نے ہارون سے کہا کہ آپ کو قسم کھانی چاہیئے۔ ہارون نے قسم کھا کر کہا کہ یہ باغ میرے والد مہدی نے مجھ کو عطا کیا ہے اور اس کا میں مالک ہوں۔ بڈھے کسان کی جرأت دیکھیے، کہتا ہے "اس شخص نے ایسے قسم کھالی جیسے کوئی ستو پی جاتے"۔ رعیت کے ادنیٰ طبقے کے فرد سے یہ فقرہ سن کر ہارون کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ یحییٰ بن خالد برمکی وزیر برابر کی کرسی پر بیٹھا تھا اس نے معاملے کو بہتر رُخ پر ڈالنے کے لئے قاضی صاحب سے خطاب کر کے کہا "کیا عدل و انصاف کی ایسی نظیر دنیا میں کہیں مل سکتی ہے۔ تم نے دیکھا کہ ایک معمولی رعیت کے ساتھ امیرالمومنین کا برتاؤ کیسا ہے"۔ قاضی صاحب نے بھی تائید کی اور اس طرح غصّہ کی وہ لہر بخیریت گزر گئی۔

خلیفہ کے مقابلے پر قانون کا اتنی فوقیت پا جانا کوئی معمولی بات نہ تھی مگر اتنی بڑی کامیابی کے باوجود امام ابو یوسف بعد میں اس موقع سے متعلق ایک امر میں سخت ندامت ہمیشہ محسوس کیا کرتے۔ انہیں افسوس رہا کہ میں یہ نہ کرسکا کہ خلیفہ سے کہتا کہ آپ اٹھ کر مدعی کے برابر کھڑے ہوں یا اس کے لیے بھی کرسی کا انتظام کیا جائے[1]

منصور کے زمانے میں ایک معمولی بدوی مدینہ کی عدالت میں خود خلیفہ کے خلاف دعویٰ لاتا ہے اور قاضی خلیفہ کے خلاف فیصلہ دیتا ہے۔ اس پر خلیفہ نے قاضی کو اس کی عدل گستری پر دعا بھی دی اور دس ہزار درہم انعام میں دیئے[2]

مامون کے خلاف ایک بار ایک شہری نے ۳۰ ہزار کا دعویٰ کیا۔ مامون کو عدالت میں حاضر ہونا پڑا۔ خادم مامون کے لیے عدالت میں قالین بچھانے لگا۔ قاضی نے روک دیا

---

[1] امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی، از مولانا مناظر احسن گیلانی۔ (بحوالہ مناقب موفق ج ۲)

[2] تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۸۲۔ تاریخ اسلام۔ از مولانا عبدالقیوم ندوی ج ۲ ص ۲۲۔

کہ عدالت کی نگاہ میں مدعی اور مدعا علیہ برابر ہیں اور ان کے درمیان امتیازی سلوک نہیں کیا جا سکتا۔ مامون نے قاضی کی اس حق پرستی پر خوش ہو کر اس کی تنخواہ میں اضافہ کر دیا۔[1]

حق پسند قاضیوں نے عدلیہ کی فضا پر ایسا گہرا اثر ڈالا کہ خلفاء بھی باوجود اپنی مطلق العنانی کے جب عدالت لگا کر بیٹھتے تو اسلام کی ان روایاتِ عدل کا احترام ان کے ذہنوں پر چھا جاتا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تربیت دادہ خلفائے راشدین نے قائم کی تھیں۔ مثلاً مامون ہر اتوار کو صبح سے ظہر تک مقدمات و شکایات سننے کے لیے بیٹھتا تھا۔ ایک مرتبہ اس کے سامنے ایک غریب بڑھیا نے خود اسی کے بیٹے عباس کے خلاف غصبِ جائیداد کا دعویٰ کیا۔ عباس اس وقت وہیں موجود تھا۔ مامون نے اسے اپنے پاس سے اٹھوایا اور بڑھیا کے برابر کھڑا کرا دیا۔ پھر دونوں کے بیان لیے۔ آداب سے ناواقف بڑھیا زور زور سے بات کرتی۔ مامون کے وزیر احمد بن ابی خالد نے اسے ٹوکا کہ امیر المومنین کے سامنے اونچی آواز سے بولنا خلافِ ادب ہے۔ مامون نے وزیر کو مداخلت سے روکا کہ بڑھیا جس طرح کہتی ہے اسے کہنے دو۔ فریقین کے بیان سننے کے بعد مامون نے فیصلہ بڑھیا کے حق میں دیا اور اس کی جائداد واپس کرا دی۔ بلکہ خدام کو اس کے ساتھ مزید حسن سلوک کرنے کی تاکید بھی کی۔[2]

قاضی غوث (۱۳۵ھ تا ۱۶۸ھ) نے عدلیہ میں بہت سی مفید اصلاحات کیں۔ مثلاً جھوٹی گواہیاں کثرت سے دی جاتیں اور ان پر فیصلے دیئے جاتے۔ قاضی غوث نے اسلامی ضابطۂ شہادت کو سختی سے نافذ کیا اور شہادت دینے والے گواہوں کے چال چلن کے متعلق نہ صرف برسرِ عدالت معلومات حاصل کرتے بلکہ خفیہ ذرائع سے بھی تحقیق کرائی جاتی۔

---

[1] تاریخ الخلفاء سیوطی۔ ص ۳۳۲۔ تاریخ اسلام۔ از مولانا عبدالقیوم ندوی ج ۲، ص ۷۲۔

[2] عقد الفرید۔ ج ۱، ص ۹۔ الاحکام الاسلامیہ۔ از علامہ ابوالحسن ماوردی (عربی سے ترجمہ) ص ۲۲۵ تا ۲۲۷۔ تاریخ اسلام۔ از مولانا عبدالقیوم ندوی۔ ج ۲۔ ص ۷۱۔

انہی قاضی غوث کا واقعہ ہے کہ ان کی عدالت میں ایک معمولی عورت خلیفہ مہدی کے خلاف مقدمہ لائی۔ خلیفہ کو عدالت میں آنا پڑا۔ قاضی غوث نے فریقین کو مساویانہ حیثیت دے کر اپنے سامنے کھڑا کیا اور مقدمہ کی کاروائی مکمل کی[۱]۔

قاضی احمد بن بدیل کی عدالت کا ایک واقعہ ابن جوزی نے بہ ضمن واقعات ۲۵۸ھ درج کیا ہے کہ جنرل بغا کا بیٹا موسیٰ بن بغا مقدمہ بازی کے زور سے کسی جائداد کو ہتھیانا چاہتا تھا۔ موسیٰ کے سیکرٹری عبداللہ بن سلیمان نے قاضی صاحب کو پُرزور طریق سے کہا کہ وہ موسیٰ بن بغا کے حق میں رعایت سے کام لیں۔ قاضی صاحب نہ مانے۔ سیکرٹری نے کہا "جانتے ہو، معاملہ ہے موسیٰ بن بغا کا۔" قاضی صاحب نے فرمایا "دوسری طرف اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔" موسیٰ تک یہ فقرہ پہنچا تو اسے دوہرا دوہرا کر روتا تھا[۲]۔

قضاۃ و فقہاء کا دوسرا بڑا میدانِ کار افتاء تھا۔ یعنی حکومت اور شہریوں کو یہ بتانا کہ کسی معاملے میں قانون کیا ہے اور اس کے تقاضے کیا ہیں۔ ان پر توضیحِ قانون اور تعبیرِ قانون کی ذمہ داری بھی عاید ہوتی تھی۔ اس ادائے فرض میں کچھ سخت مقامات آتے تھے۔ جب خلیفہ یا حکومت ایک خاص عندیہ رکھتے ہوئے قضاۃ و فقہا سے شرعی حکم معلوم کرنا چاہتا تو گویا مفتی بڑی آزمائش میں پڑ جاتا۔ بالعموم خلیفہ کی مرضی واضح ہوتی کہ وہ قانون کا انطباق ایک خاص شکل میں چاہتا ہے۔ کالی بھیڑیں تو موجود تھیں ہی جن سے ہر طرح کا فتویٰ صادر ہو سکتا تھا۔ ان کے مقابلے پر حق پسند قضاۃ و فقہاء کو جان ہتھیلی پر رکھ کر صحیح حکم سامنے لانا پڑتا۔ اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ ایسے شیرانِ بیشۂ علم ہر دور میں موجود رہے اور انہوں نے سلطانِ جائر کے سامنے کلمۂ حق کہنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ یہ الگ بات ہے کہ اقتدار کبھی تو حق کے سامنے جھک گیا اور کبھی حق کو پامال کر کے آگے بڑھ گیا۔

۱؎ مسلمانوں کا نظامِ مملکت (عربی سے ترجمہ) — از پروفیسر حسن ابراہیم حسن۔ ص ۲۲۳۔

۲؎ ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی۔ از مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم ص ۳۰۹ (بحوالہ: المنتظم ج ۵، ص ۹۰)

اس سلسلے میں بڑی عظیم الشان نظیر تو پہلے ذکر ہو چکی جو حضرت امام مالکؒ نے قائم کی تھی کہ حکومت کے مقابلے پر کھڑے ہو کر انہوں نے جبری بیعت کو کالعدم قرار دیا تھا اور تشدد کی بھٹی سے گذر کر شریعت اور ضمیر کے مطابق فتویٰ دینے کے حق کا تحفظ کیا تھا۔ یہی طرزِ فغاں پھر سارے زمانے کی ادا ٹھہری۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اموی اور عباسی حکمرانوں کے سامنے تو جس کردار کا مظاہرہ کیا سو کیا، خارجیوں کی عارضی حکومت کے سامنے بھی موصوف احقاقِ حق کرنے کا حق ادا کر گئے۔ کوفہ میں جب خارجیوں کا تسلط ہوا تو ضحاک نے تمام باشندوں کو مرتد قرار دے کر ان کے قتل کا فرمان جاری کر دیا۔ نئی نئی فاتح طاقت، پھر وہ انتہا پسند بلکہ خاصی سرپھری اور وحشت زدہ، کوئی آگے ہو کر بات کرنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ قوموں کی زندگی میں ایسے ہی مواقع ہوتے ہیں جبکہ صاحبِ بصیرت اور جرأت مند لیڈروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ اس موقع پر آگے بڑھے اور ضحاک سے بات کی۔ انہوں نے سیدھا سا یہی ایک سوال اس کے سامنے رکھا کہ آیا ان لوگوں کا دین پہلے کچھ اور تھا اور پھر انہوں نے بدل لیا ہے؟ ضحاک کے دماغ میں جیسے نیا دروازہ کھل گیا۔ اُس نے اپنی غلطی تسلیم کر لی، تلوار میان میں ڈالی اور قتلِ عام کا حکم واپس لے لیا۔[1]

وہ موقع بھی ایک لحاظ سے استفتاء اور دستوری قانون کی توضیح کا موقع تھا جبکہ منصور نے امام ابو حنیفہ، امام مالک اور ابن ابی ذئب کو طلب کر کے ان سے اپنی حکومت کی دستوری و شرعی حیثیت کے متعلق استفسار کیا۔ موخر الذکر دونوں اصحاب نے اپنے اپنے رنگ میں جواب دیا اور اس ذہنی کیفیت کے ساتھ دیا کہ جیسے بس جلاد کو گردنیں اڑانے کا حکم ملنے ہی والا ہے اور اس کے لیے ان علمبردارانِ حق نے کپڑے سمیٹ کر تیاری شروع کر دی مگر امام ابو حنیفہ کا جواب بالکل دو ٹوک تھا۔ فرمایا:

"دیکھو، تم نے خلافت کی باگ ایسے وقت میں سنبھالی ہے کہ فتوے دینے کی

[1] مناقبِ موفق۔ ج ۱، ص ۱۷۴

صلاحیت رکھنے والوں میں سے دو آدمی بھی تمہاری خلافت پر متفق نہیں ہوئے تھے، اور تم جانتے ہو کہ خلافت ایک ایسا مسئلہ ہے جسے مسلمانوں کا اجماع ہی طے کر سکتا ہے، انہی کے مشورے سے خلیفہ منتخب ہو سکتا ہے۔"

امام نے اس پر اولین خلیفۂ راشد کی عملی نظیر کو دلیل بنایا کہ:

"ابوبکر صدیق کی مثال تمہارے سامنے ہے۔ چھ مہینے تک انہوں نے حکومت کرنے سے اپنے آپ کو روکے رکھا، یہاں تک کہ یمن کے مسلمانوں کی بیعت کی اطلاع ان کے پاس آگئی۔"

کتنا نازک موقع تھا، کتنا مشکل سوال تھا اور کتنی بڑی آزمائش تھی۔ مگر کہنے والے نے بات کہہ دی اور برملا کہہ دی[1]۔

دوسرا موقع منصور ہی کے دَور میں اہلِ موصل کا پیش آیا۔ ان لوگوں نے جو معاہدہ حکومت سے باندھا تھا اس میں یہ تسلیم کیا کہ اگر وہ اس کی خلاف ورزی کریں تو ان کو قتل کر دیا جائے۔ خلاف ورزی کا ارتکاب ان سے ہوا۔ منصور نے مجلس کے سامنے یہ سوال رکھا کہ آیا میں ان لوگوں کو قتل کر سکتا ہوں؟ ایک خوشامدی نے فوراً تائید کی۔ مگر حضرت امام ابوحنیفہ نے ایک قانونی نکتے کی بنا پر اختلاف کیا۔ فرمایا: انہوں نے معاہدہ میں ایک ایسا اختیار آپ کے سپرد کیا تھا جو خود انہیں شرعاً حاصل نہ تھا پس یہ خونریزی جائز نہیں ہوگی۔ جب دوسرے لوگ چلے گئے تو امام صاحبؒ سے منصور کہنے لگا: "بات وہی ہے جو تم نے کہی[2]"۔

محمد نفس زکیہ کے ایک بھائی یحییٰ بن عبداللہ تھے۔ نفس زکیہ کے بعد کچھ عرصہ روپوش رہے مگر اندر ہی اندر انقلابی مہم جاری رکھی۔ دیلم پہنچ کر انہوں نے اچھا خاصا اثر و اقتدار پیدا کر لیا۔

---

[1] کردری۔ ج ۲، ص ۱۶ (امام ابوحنیفہ کی تدوینِ قانونِ اسلامی۔ از ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ حاشیہ ص ۹۔ بہ حوالہ صیمری ورق ۴۸ تا ۴۹ نیز سیرۃ النعمان از علامہ شبلی ص ۵۹ تا ۶۱)۔ امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی۔ ص ۲۱۵، ۲۴۰۔

[2] امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی از مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم۔

اب عباسی حکومت کے لیے اغماض کرنا ممکن نہ رہا۔ ہارون اس صورتِ حالات سے اس درجہ پریشان ہُوا کہ نبیذ نوشی ترک کر دی۔ فضل بن یحییٰ برمکی کو ۵۰ ہزار سپاہ دے کر یحییٰ بن عبداللہ پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ فضل نے جنگ کے بجائے سیاسی طریقہ اختیار کیا۔ ایک تو دیلم والوں میں خوب روپیہ تقسیم کیا، دوسرے یحییٰ بن عبداللہ سے خط و کتابت کر کے ان کو راضی کر لیا کہ وہ ہارون سے امان نامہ حاصل کر کے اپنے آپ کو حکومت کے حوالے کر دیں۔ چنانچہ ہارون نے امان نامہ بھجوا دیا اور یحییٰ بن عبداللہ نے اپنے آپ کو ہارون کے سامنے پیش کر دیا۔ آنے پر ان کی عزت افزائی کی گئی اور ان کو بہت اچھی طرح رکھا گیا۔ بعد میں ہارون کے اندر انتقامی جذبہ کام کرنے لگا اور شاید اس میں درباری حلقے کے لوگوں کا بھی ہاتھ ہو۔ وہ اب یحییٰ بن عبداللہ کو قتل کرنا چاہتا تھا مگر امان نامہ حائل تھا۔ امان نامہ کو کالعدم کرانے کے لیے اس نے قضاۃ و فقہاء کا اجلاس طلب کیا۔ اس میں ایک طرف قاضی القضاۃ ابوالبختری وہب بن وہب شریک تھے اور دوسری طرف قاضیٔ رقہ امام محمد بھی موجود تھے۔

ہارون نے امام محمد کے سامنے امان نامہ رکھ کر پوچھا کہ آیا یہ صحیح ہے؟ سوال سے مقصود یہ تھا کہ کیا اس کی پابندی کرنا مجھ پر واجب ہے۔ امام محمد نے بے دھڑک جواب دیا:

"اس کے صحیح ہونے میں کیا شبہ ہے"

اب ہارون ان سے الجھنے لگا مگر امام نے یوں وضاحت کی کہ حکومت سے باغی ہو کر اگر ایک شخص نے جنگ کی ہو اور پھر تائب ہو کر امان حاصل کر لی ہو تو وہ مامون ہو گیا۔ اس پر ہارون نے روئے سخن اپنے قاضی القضاۃ کی طرف پھیرا جو اپنے آپ کو قاضیٔ شریعت نہیں بلکہ ہارون کا ذاتی ملازم سمجھتے تھے۔ (تفصیلی تعارف آگے آئے گا) یہ صاحب کہنے لگے کہ امان نامہ فلاں اور فلاں اور فلاں وجوہ سے ٹوٹ چکا ہے، لہٰذا آپ اس شخص کو قتل کر دیجیے، اس کا خون میں اپنی گردن پر لیتا ہوں۔" پھر اپنے چاقو سے معاہدہ چاک کر دیا اور اس پر تھوکا۔ پھر ہارون نے امام محمد کو نگاہِ عتاب کی زد پر لے کر کہا کہ "تم ہی جیسے لوگوں کی شہ پا کر یہ لوگ بغاوت پر اتر

آتے ہیں۔" ایک روایت کے بموجب ہارون نے دوات اٹھا کر امام محمدؒ کے منہ پر پھینکی اور وہ زخمی ہو کر چلے گئے۔ دوسری روایت یہ بھی ہے کہ ان کو قضا سے برطرف کر دیا گیا۔

بظاہر قاضی وہب کا فتویٰ کامیاب رہا، اور بعض لوگوں کے بقول اسی پر عمل کر کے یحییٰ کو قتل کر دیا گیا لیکن حقیقت یہی ہے کہ ہارون امام محمد پر عتاب کرنے کے باوجود ان کے قولِ حق سے متاثر ضرور ہوا اور اس وقت یحییٰ بن عبداللہ کو قتل نہیں کرایا۔ بعد میں ہارون کے سامنے عبداللہ بن مصعب نے یحییٰ بن عبداللہ پر بعض رکیک الزامات لگائے اور قسم کھالی۔ اس طرح یحییٰ کو نشانۂ ظلم بنایا گیا۔ عجیب بات ہے کہ قسم کھانے کے بعد تیسرے ہی روز عبداللہ بن مصعب ناگہانی طور پر مر گیا اور ہارون تک کہتا تھا کہ "ابن مصعب سے یحییٰ کا بدلہ کتنا جلد لیا گیا۔"

امام محمد نے جس جراَتِ حق گوئی سے کام لیا تھا اسی کی برکت کہیے کہ وہب بن وہب کے بعد ہارون نے انہی کو قاضی القضاۃ مقرر کیا۔[1]

(باقی)

---

[1] امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی از مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم ص ۲۷۳ تا ۲۷۶ (بحوالہ طبری ج ۱۰، تاریخ بغدادی ج ۱۴، کردری ج ۲)۔ مسلمانوں کا نظم مملکت از پروفیسر حسن ابراہیم حسن (عربی سے ترجمہ) ص ۲۱۶